بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ الأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِيْن،

وَبَعْدُ:

04-شرح العقیدۃ الواسطیۃ-ابن تیمیۃ (رحمہ اللہ) کے مقدمہ کی شرح-حصہ اول

العقیدۃ الواسطیۃ الشیخ الاسلام أبو العباس احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ رحمہ اللہ شرح فضیلۃ الشیخ العلامہ محمد بن صالح ابن عثیمین رحمہ اللہ، اور آج کی نشست میں اس رسالے کی ابتداء سے درس کا آغاز کرتے ہیں اور آج کی نشست میں ان شاء اللہ جو مقدمہ ہے شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کا اس پر بات کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "بسم الله الرحمن الرحيم، الحمد لله الذي أرسل رسوله بالهدى، ودين الحق ، ليظهره على الدين كُلِّه، وكفى بالله شهيداً، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده، لا شريك له، إقرارًا به وتوحيداً،وأشهد أن محمدًا عبده وَرسُولُه، صلى الله عليه وعلى آله وصحبه وسلَّم تسليماً مزيداً"۔

یہ مختصر مقدمہ ہے اور شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے ایک ایک لفظ کا معنی بیان کیا ہے اور تفصیل ان شاءاللہ اس میں سے جو اہم باتیں ہیں اس پر بات کرتے ہیں۔

سب سے پہلے "بسم الله"، شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے نام سے ابتداء اسے بسملۃ بھی کہتے ہیں اور بسم اللہ بھی کہتے ہیں یہ تمام مصنفین کا طریقہ ہے، اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن مجید اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی اقتداء کرتے ہوئے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سورتوں کی ابتداء اسی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے تعلق سے یہاں تو نہیں بیان فرمایا لیکن دیگر دروس میں یہ وضاحت فرمائی ہے شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے کہ جو خطوط اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکھے ہیں بادشاہوں کو (مختلف بادشاہوں کو) اُن میں ابتداء جو تھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے تھی، تو یہ سنت ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔

اور اعراب کے تعلق بسم اللہ کا اعراب کیا ہے؟

اصل میں دیکھیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جب ہم کہتے ہیں اس میں ایک چیز جو ہے اس کی وضاحت اس جملے میں نہیں ہے (ظاہر نہیں ہے) جسے متعلّق کہتے ہیں۔ یعنی شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے کیا شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے؟ یا اللہ تعالیٰ کے نام سے اصل بات یہ ہے۔ میں بتاؤں شروع کر رہا ہوں کا لفظ جب ترجمہ کرتے ہیں تو ہم کیا کہتے ہیں؟ شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے (عام طور پر)۔

اب لفظ شروع سے کہاں ہے شروع کا لفظ اس میں تو نہیں ہے لفظ کیا ہے؟ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اب ''بسم اللہ'' (اللہ تعالیٰ کے نام سے) جو متعلق ہے یہاں پر وہ کیا ہے؟ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ فعل ہے محذوف ہے متأخر ہے ''مناسب للمقام''۔ یہ چار جملے ذرا یاد رکھیں کیا ہیں، فعل ہے یعنی اسم نہیں ہے، محذوف ہے موجود ظاہر نہیں ہے، متأخر ہے متقدم نہیں ہے ''مناسب للمقام'' (مقام کی مناسبت سے)۔

کیا مطلب ہے اس کا؟ یعنی شیخ صاحب یہ فرماتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا مطلب یہ ہے ''باسم الله أبتدئ''، یا ''باسم الله أقرأ''، یا ''باسم الله أكتب''۔ اب لکھنے سے پہلے بسم اللہ لکھتے ہیں پھر لکھتے ہیں تو مطلب ہے آپ اللہ تعالیٰ کے نام سے یہ چیز لکھ رہے ہیں۔

جب ہم یہ کتاب پڑھ رہے ہیں یا تصنیف عقیدے کی جو ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کی ہے تو ابتداء بسم اللہ نے کی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نام سے میں یہ لکھنے جا رہا ہوں۔ ہم پڑھ رہے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کے نام سے یہ پڑھ رہے ہیں تو أبتدئ مناسب ہے یا جو خاص کام ہم کرنے جا رہے ہیں وہ مناسب ہے؟ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں أبتدئ والا بھی ہے ابتداء والا

بھی ہے جو ہم کہتے ہیں عام ترجمے میں کہ شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے کیونکہ اگر کہنا بھی چاہیے اللہ تعالیٰ کے نام سے اور شروع کرتا ہوں آخر میں (فعل آخر میں، بتاتا ہوں اس میں فرق کیا ہے)۔

''باسم الله أقرأ''میں پڑھتا ہوں اللہ کے نام سے مؤخر کیوں ہے؟ اچھا پہلے فعل ہے اسم کیوں نہیں ہے؟ کیونکہ اصل میں جو نام ہے اس میں فعل کی شرط نہیں ہے لیکن فعل میں عمل کی شرط لازمی ہے کیا مطلب ہے اس کا؟

اب ایک بندے کا نام صابر ہے کیا لازمی ہے وہ صبر کرنے والا ہے؟ نہیں۔ لیکن فلان صبر کرتا ہے اس میں لازمی ہے کہ نہیں اس نے صبر کیا ہے تو اس لیے اس کو صبر سے جوڑ دیا گیا ہے؟

تو فعل کے لیے عمل کی شرط ہے اسم کے لیے شرط نہیں ہے۔ یہاں پر اب کیا ہے؟ فعل ہے اصل میں، ہم فعل کرنے جا رہے ہیں اس لیے اس سے پہلے ہم نے اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہے۔ یہ فعل جو ہے اب مقدم ہے اس جملے سے یا مؤخر ہے یعنی أقرأ باسم اللہ، یا باسم اللہ أقرأ؟ باسم اللہ أقرأ۔ کیوں وجہ کیا ہے؟ اس میں بھی وجہ ہے۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں ''ونقدره متأخراً لفائدتين''(دو فائدے ہیں)''الأولى: الحصر''۔ تقدیم معمول جو ہے کس لیے ہے؟ یفید الحصر۔

دوسرا''تيمنًا بالبداءة باسم الله''(اللہ تعالیٰ کے بابرکت نام سے برکت حاصل کرنے کے لیے)۔ اللہ تعالیٰ کا نام پہلے ہے ہمارا عمل بعد میں ہے تو اللہ تعالیٰ کے نام کی تعظیم کرتے ہوئے اس سے برکت اور مدد حاصل کرنے کے لیے یہ استعمال ہوتا ہے۔

اور پھر خاص ہے یا عام ہے یعنی صرف أبتدئ یا أقرأ یا أكتب؟ تو أقرأ یا أكتب جو ہے جو ہم عمل کرنے جا رہے ہیں وہ فعل مناسب مقام کے لیے ہے یہاں پر۔ اگرچہ أبتدئ بھی ٹھیک ہے لیکن اُس سے بہتر کیا ہے؟ عام سے بہتر خاص ہے نا جو ہم کام کرنے جا رہے ہیں تو اس خاص کے لیے متعین کر دیا گیا ہے۔

تو یہ صرف بسم کا معنی واضح ہے؟ باء حرف جَر ہے، اسم اسم مجرور ہے اسم جو ہے اور اسم جار میں جو متعلّق ہمیشہ ہوتا ہے یہ جار و مجرور کس چیز سے متعلّق ہے؟ فعل ہے اور فعل یہاں پر محذوف ہے موجود نہیں ہے نظر نہیں آ رہا ہے اور پھر

متأخر ہے مقدم نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے نام بابرکت ناموں کو آگے کر دیا گیا ہے جب اس میں تاخیر کر دی ہے تو صیغ الحصر کے اعتبار سے ہو گیا ہے۔

''الله'' دوسرے اس جملے میں بسم اللہ دوسرا لفظ ہے ''الله'' حرف الجلالۃ سبحانہ وتعالیٰ۔ ''علم على نفس'' (اللہ تعالیٰ کے خاص نام ہیں اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام ہیں) ''ولا يسمى به غيره'' (اور کسی کے لیے جائز نہیں کہ اس نام سے کوئی کسی اور کا نام رکھا جائے یا تسمیت کی جائے، اور اس کا معنی ہے المألوہ)۔ مألوہ سے مراد ''المعبود محبة وتعظيما'' (وہ ذات جس کی عبادت کی جاتی ہے محبت اور تعظیم کی بنیاد پر اسے مألوہ کہتے ہیں)۔ اور یہی قول راجح ہے کہ مشتق ہے یعنی جامد نہیں ہے اور اس کی دلیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ﴾ إلى آخر الآية (الانعام: 3)۔ تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ﴿فِي السَّمٰوٰتِ﴾ ''متعلق بلفظ الجلالة'' (یعنی اللہ ہی آسمانوں اور زمین میں)۔ کیا ہے؟ مألوہ ہے۔ ''يعني: وهو المألوه في السموات وفي الأرض'' (جس ذات کی محبت اور تعظیم کی بنیاد پر عبادت کی جائے اسے مألوہ کہتے ہیں اور زمین و آسمان میں ایک ہی ذات ہے وہ ہے اللہ تعالیٰ اور کوئی نہیں ہے)۔

''الرحمٰن'' سے مراد ''ذو الرحمة الواسعة'' (وسیع رحمت والا)۔ کیونکہ وزن فعلان ہے صیغ المبالغہ ہے اور جس کا مطلب ہے جس کے لیے رحمت وسیع ہے۔

اور ''الرحيم: اسم يدل على الفعل'' (اسم فعل کی دلالت ہے اور فعل بمعنی فاعل ہے رحم کی جگہ رحیم ہے) ''فهو دال على الفعل'' (فعل کی دلالت ہے)۔ یعنی الرحمٰن الرحیم جب ہم ایک ساتھ جوڑ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت جو وسیع بھی ہے اور مخلوق تک پہنچتی بھی ہے مخلوق پر اس کا اثر بھی ہوتا ہے اور یہ مومنوں کے لیے خاص ہے دنیا میں اور آخرت میں۔ رحمٰن کی رحمت میں سب شامل ہیں کافر بھی شامل ہیں لیکن رحیم کی رحمت میں صرف اہل ایمان ہیں مومن ہیں اور کافر اس سے محروم ہیں اس لیے آخرت میں کافر کے لیے صرف عذاب ہی ہے اور کچھ بھی نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کی اس رحمت سے محروم ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ﴾ (المؤمنون: 107)۔ کافر کہیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو نہیں پہنچے گی اللہ تعالیٰ کے عدل اور انصاف کی بنیاد پر ان کو جو سزا ہو گی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ان کی اس گزارش پر کہ اے اللہ! ہمیں جہنم سے نکال دے اگر دوبارہ ہم یہ غلطی

کریں گے کفر کریں گے تب ہم ظالم ہیں تب ہمیں عذاب دینا جواب کیا ہوگا؟﴿قَالَ اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ﴾(المؤمنون:108)(خبردار خاموش رہو اور کوئی بات نہ کرو جہنم میں رہو(اور جہنم میں یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے))۔

تو اللہ تعالیٰ کی اس خاص رحمت سے محروم ہیں لیکن دنیا میں جو ان کی صحت ہے، عافیت ہے، رزق ہے، اولاد ہے، کھانا ہے پینا ہے جو بھی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت سے وہ فائدہ اٹھا رہے ہیں جیسا کہ جانور اسی وسیع رحمت سے اللہ تعالیٰ کی فائدہ اٹھا رہے ہیں اور زندہ ہیں۔

پھر "الحمد لله الذي أرسل رسوله" اس جملے کے تعلق سے شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی جاتی ہے دو چیزوں پر "على كماله عز وجل وعلى إنعامه" (اللہ تعالیٰ کا کمال اور اللہ تعالیٰ کا انعام)۔ ہم اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ "كامل الصفات من كل وجه" (ہر اعتبار سے کامل الصفات ہے)۔ اور اس لیے حمد وثناء کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی تعریفیں کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے انعام اور احسان بھی کامل ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ﴾(النحل:53)(جو نعمت تمہیں پہنچے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہی کی طرف سے ہے) ﴿ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْأَرُونَ﴾(جو تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو واپس اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹتے ہو)۔ اور سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کی جو اپنے بندوں پر ہے وہ رسولوں کو مبعوث فرمانا ہے "إرسال الرسل(عليهم الصلاة والسلام)" (اپنے بندوں کی ہدایت اور مخلوق کی ہدایت کے لیے)۔

اور اس لیے شیخ عثیمین رحمہ اللہ نے ابتداء میں بسم اللہ کے بعد اسی جملے سے ابتداء کی حمد وثناء سے "الحمد لله الذي أرسل رسوله بالهدى، ودين الحق" اور رسول سے مراد یہاں پر شیخ صاحب فرماتے ہیں جنس ہے کیونکہ جتنے بھی رسول مبعوث ہوئے ہیں تمام رُسل جو ہیں وہ اسی بنیاد پر مبعوث ہوئے ہیں "بالهدى، ودين الحق"، اور سب سے کامل رسالت اور سب سے آخری رسالت جس سے اللہ نے تکمیل کی ہے اپنی اس رسالت کی اور نبوت کی اور اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء بنا کر بھیجا اپنے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور یہ جو ایک بلڈنگ تھی نبوت کی اور رسالت کی جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اس کا وصف بیان فرمایا ہے کہ جو رسول ہیں مجھ سے پہلے اور میری مثال ان کے ساتھ ایسی ہے جیسا کہ

ایک قصر ہے (ایک بڑی عمارت اور بلڈنگ ہے) پہلے سے اور تمام مکمل ہو چکے سوائے ایک اینٹ کی جگہ باقی ہے اور لوگ آتے ہیں اس محل کی طرف دیکھتے ہیں اور ان کو تعجب ہوتا ہے کہ تمام محل مکمل ہو چکا ہے لیکن ایک اینٹ کی جگہ باقی ہے، تو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں یہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں (یہ متفق علیہ حدیث ہے علیہ الصلاۃ والسلام)۔

اور میں پہلے بھی یہ بیان کر چکا تھا کہ فصوص الحکم میں ابن عربی نے (نعوذ باللہ) اسی حدیث کے تعلق سے وہ کہتا ہے کہ اینٹیں ایک نہیں دو ہیں ایک ہے سونے کی ایک ہے چاندی کی، جو خاتم النبیین کا جس میں ذکر ہے اس حدیث میں وہ چاندی کی اینٹ تھی اور جو خاتم الاولیاء ہیں وہ سونے والی اینٹ ہے اس کی تکمیل میں نے کی ہے (نعوذ باللہ)۔ (بہر حال تو بعض لوگوں کے نزدیک آج بھی جو ہے یعنی اتفاق ہے صوفیوں کا کہ وہ شیخ اکبر ہیں (نعوذ باللہ!))۔

اگلا جملہ ہے "بالهدى، ودين الحق"۔ ہدیٰ سے مراد "الباء هنا للمصاحبة والهدى هو العلم النافع ويحتمل أن تكون الباء للتعدية" (ہدایت کے ساتھ اور دین حق)۔ یہاں پر ہدیٰ سے کیا مراد ہے؟ العلم نافع۔ اگر ہم کہیں گے یہ بھی معنی بنتا ہے علم نافع کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اپنے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور دوسرا معنی یہ بناتا ہے کے جو رسالت دی گئی ہے وہ ہدایت ہے اور دین حق ہے (اور دونوں معنی صحیح ہیں)۔

اور دین حق سے مراد ہے عمل الصالح، اگر ہم ہدایت کو کہیں "بالهدى" "علم نافع ہے تو دین حق جو ہے عمل صالح ہے کیونکہ دین عمل کو بھی کہتے ہیں جزاء کو بھی کہتے ہیں عمل پر۔ دین عمل کو کہتے ہیں اس کی دلیل میں ﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ إلى آخر الآية (آل عمران: 19)۔ اور جزاء کا معنی بھی ہے اطلاق ہے عمل پر جزاء میں اور اس کی دلیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الدِّينِ﴾ (الانفطار: 17) اور یوم دین سے یہاں پر مطلب ہے یوم الجزاء والحساب۔

اور "الحق" جو ہے باطل کی ضد ہے اور حق سے مراد یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو متضمن ہے "لجلب المصالح ودرء المفاسد في الأحكام والأخبار" (احکام اور أخبار کے اعتبار سے مصالح اور بھلائی کو حاصل کر لینا اور مفاسد سے بچنے کا نام جو ہے وہ حق ہے)۔

''ليظهره على الدين كُلِّه''،لام تعلیل کے لیے ہے یعنی وجہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے کیوں مبعوث فرمایا ہے اپنے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ ؟تاکہ ظاہر کر دے تمام ادیان پر۔اور ظھور کا مطلب ہے علو اور غلبہ ،تاکہ جتنے ادیان ہیں باقی سب پر غالب ہو اور ظاہر ہو۔اور علوا سے عربی زبان میں ظھر الدابۃ کہتے ہیں جو جانور کی پیٹھ ہوتی ہے ظاہر اور سب سے اونچی جگہ وہی ہوتی ہے۔ظھر الأرض زمین کا جو سَرفیس(Surface)ہے اسے بھی کہتے ہیں،ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ﴾ (فاطر:45)۔تو یہ معنی بتارہے ہیں کہ ظھر کا معنی کیا ہے۔

''يظهره''الھاء جو ہے یا تو یہ ضمیر کی واپسی رسول کی طرف ہے یا دین کی طرف ہے اور دونوں معنی ٹھیک ہیں،اگر دین کی طرف دین حق کی طرف تو جو بھی اس دین کے لیے قتال کرے گا جہاد کرے گا وہی اسی کو غلبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے گا کیونکہ اللہ نے فرمایا﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ (التوبہ:33)(تمام (ادیان پر یہ دین غالب اور ظاہر رہے گا)۔اور جو بے دین ہیں من باب اولیٰ ان پر غلبہ ہو کر رہے گا۔ہر دین والے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا دین حق ہے اور دین اسلام جو ہے وہ ہر وقت ان پر غالب اور ظاہر رہے گا کیونکہ یہ ثبوت ہے کہ باقی ادیان جو ہیں وہ باطل ہیں۔

اور اگر رسول کی طرف یظھرہُ کا الھاء کا ضمیر جو ہے واپس لوٹتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ اپنے رسولوں کو غالب اور ظاہر کرتا ہے کیونکہ دین حق اُن ہی کے پاس اُن ہی کے ساتھ ہے،اور دونوں اگر تقدیر کی جائے کہ الھاء کا ضمیر دین حق کی طرف ہے یا رسول کی طرف ہے تو اصل معنی یہ بنتا ہے کہ جس نے بھی اس دین حق کو لازم پکڑا ہے تو ہمیشہ وہی غالب اور ظاہر رہے گا،اس کے درجے بلند ہوں گے وہی عزت پائے گا دنیا میں اور آخرت میں بھی،اور جس نے اس دین کے علاوہ کسی اور چیز میں عزت ڈھونڈی ہے تو وہ ہمیشہ ذلیل رہے گا کیونکہ غلبہ اور عزت اور کرامات اس دین کے بغیر ممکن نہیں ہیں۔

اور پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں میں تمام بھائیوں کو یہ دعوت دیتا ہوں کہ اس دین حق کو جو ہے نالازم پکڑیں ظاہراً اور باطناً عبادت میں سلوک واخلاق میں اور اس کی طرف دعوت میں ''حتى تقوم الملة وتستقيم الأمة''(حتی کہ ملت قائم ہو جائے اور امت کے معاملات سیدھے مستقیم ہو جائیں)۔

''وکفی باللہ شھیداً''، شیخ صاحب فرماتے ہیں اہل اللغۃ جو ہیں کہتے ہیں کہ حرف باء یہاں پر زیادہ ہے لفظ کی تحسین کے لیے، اصل لفظ ہے ''وکفی اللہ''۔ اور یہ بھی قاعدہ ہے کہ جب کوئی حرف زیادہ ہو تو اس کی تاکید کے لیے بیان کیا جاتا ہے کیونکہ آیت کا حصہ ہے قرآن مجید میں اور کوئی حرف بغیر وجہ کے نہیں ہے (عام عربی زبان ہم ویسے بات کرتے ہیں تو حروف زیادہ ہوتے ہیں استعمال کر دیئے جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے پاک کلام میں ایک ایک حرف کا اپنا وزن ہے، ''وکفی باللہ شھیداً'' اگرچہ باء یہاں پر زائد ہے لیکن یہ تاکید کے لیے ہے)۔

''شھیداً''، لفظ شہید گواہی سے ہے اور اصل لفظ ہے ''وکفت شھادۃ اللہ'' لیکن یہ تمیز ہے اس کے اعراب جو ہیں جو فاعل سے تحویل کر دیا گیا ہے تو شہید ہو گیا ہے۔

اور اس کی مناسبت کیا ہے وکفی باللہ شھیداً ''لیظھرہ علی الدین کلہ'' کے ساتھ؟

شیخ صاحب فرماتے ہیں مناسب بالکل ظاہر ہے کیونکہ یہ نبی جو ہے (علیہ الصلاۃ والسلام) لوگوں کو دعوت یعنی دعوت التوحید دی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ جس نے میری فرمانبرداری کی اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوا اور جس نے نافرمانی کی ہے وہ جہنم میں داخل ہوا (جیسے کہ یہ صحیح بخاری کی حدیث میں آیا ہے) اور لسان حال یہ ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یعنی جس نے میری اطاعت کی ہے اور توحید کو اپنایا ہے اور سنت کا راستہ اختیار کیا ہے اور اپنے شرک و کفر سے اس نے توبہ کی ہے تو اس کے ساتھ سلامتی ہے اور جس نے نافرمانی کی ہے اس کے خلاف جنگ ہے اور جو جنگ کی ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی دین کی بنیاد پر کی ہے، اُن کے خون اور اُن کی عورتیں اُن کی ذریت جو ہیں اُن کو حلال کیا ہے اسی دین کی بنیاد پر اور یہ دیکھا گیا ہے کہ نصرت اور غلبہ بھی اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوا تو زمین پر یہ تمکین اور غلبہ جو ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ سب سے بڑی گواہی ہے عملی اور فعلی طریقے سے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے ہیں اور دین بھی سچا ہے دین حق ہے کیونکہ اگر کوئی جھوٹی بات کرتا ہے جھوٹا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ کا نبی ہے تو اس کا یہ دعویٰ پائیدار نہیں ہوتا اور عنقریب وہ خود ذلیل ہو گا اور اس کے یہ سارے معاملات زوال کی طرف چلے جاتے ہیں جیسا کہ کچھ لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا جیسے مسیلمہ کذاب اور اسود العنسی جو ہیں ان دونوں نے نبوت کا دعویٰ کیا کہاں

ہیں؟! آج اگر ہم نام بھی لیتے ہیں مطلب یہ ہے تو یہ کہتے ہیں کہ مسیلمہ کذاب ''کذاب'' ساتھ لگا دیا ((سبحان اللہ) اور لگا رہے گا تا قیامت)۔ وجہ کیا ہے؟ کہ اس نے جھوٹ بولا ہے اور ہلاک ہوا ہے اور اس کی دعوت بھی اسی کے ساتھ ہلاک ہو گئی ختم ہو گئی (سبحان اللہ) اور ان کے علاوہ بھی جس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس کا دعویٰ باطل ثابت ہوا اور وہ خود آہستہ آہستہ وجود سے ختم ہوئے اور ان کی وہ دعوت اور دعوے وہ سب تباہ ہو گئے۔

اور دوسری طرف دیکھیں اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین حق پر ہیں سچے ہیں اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے اور دعوت آج بھی باقی اور تا قیامت رہے گی، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر ثابت قدمی عطا فرمائے (آمین)، اور جو دعوت ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو تا قیامت رہے گی اور اسی کی بنیاد پر جہاد بھی ہو گا اور دشمنوں کی خون ریزی بھی ہو گی اور ان کی عورتوں کو اور بچوں کو یعنی لونڈیاں اور باندیاں بنایا جائے گا یہ فعلی گواہی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے پیغمبر صلی اللہ وآلہ وسلم کا کوئی مؤاخذہ نہیں کیا نہ جھٹلایا ہے بلکہ یہ ثابت کیا ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غلبہ دے کر دشمنوں پر کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچے ہیں اور دعوت بھی حق ہے اور دین بھی حق ہے۔

''وأشهد'' لفظ گواہی کا شہادت کا لفظ جو ہے (أشهد أن لا إله إلا الله) یعنی ''أقر بقلبي ناطقًا بلساني'' دو چیزیں ہوتی ہیں گواہی میں ایک دل کا یقین ہوتا ہے دل کا اقرار ہوتا ہے، اور دوسرا زبان سے تلفظ ہوتا ہے (دل سے یقین زبان سے اقرار یا دل سے اقرار اور زبان سے بیان دونوں ملتے جلتے الفاظ ہیں معنی ایک ہی ہے) کیونکہ شہادت جو ہے گواہی جو ہے وہ جو چیز دل میں ہے اس کی زبان سے خبر دینی ہے۔ جب آپ قاضی کے پاس جا کر کوئی گواہی دیتے ہو حق کی گواہی فلان پر، فلان سے فلان کی یعنی کوئی شخص کہتا ہے کہ میری گواہی دو یعنی فلان شخص نے میرا حق دینا ہے اور آپ کے سامنے اپنی آنکھوں سے آپ نے دیکھا ہے تو آپ قاضی کے سامنے گواہی دیتے ہیں کہ فلان نے فلان کا حق دینا ہے اس کا مطلب کیا ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں تو آپ یہ گواہی دیں جو چیز آپ کے دل میں بیٹھی ہے آپ اس کی تعبیر اپنی زبان سے اپنے الفاظوں سے دے رہے ہیں، کیونکہ شہادت کا اصل لفظ ہے شہود سے شہود کا مطلب ہے آنکھوں سے دیکھنے سے۔ یہ جو

اپنے دل سے خبر دے رہا ہے کو کچھ اس کے دل میں ہے تو زبان پر ان الفاظوں سے اس کی تعبیر کرتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو اس کے دل میں ہے وہ اس کی زبان ہر ہے اور وہ سچ ہے۔

"لا إله إلا الله: لا معبود حق إلا الله، وعلى هذا يكون خبر لا محذوفًا، ولفظ الجلالة بدلًا منه"۔ ہم کہتے ہیں لا إلہ إلا اللہ معنی کیا ہے؟ لا معبود بحق، یا حق دونوں ٹھیک ہیں کیونکہ حق جو ہے یہ خبر لا ہے محذوف ہے اصل میں جملے میں نہیں ہے (خبر لا کیونکہ لا ہم جانتے ہیں إن کے طریقہ اپناتی ہے اسم کو منسوب اور خبر کو مرفوع کر دیتی ہے)۔

تو خبر لا ہے حق جو ہے جو محذوف ہے موجود نہیں ہے اور لازمی ہے یہ محذوف ہی ہوتا ہے خبر لا جو ہے۔ تو لا إلہ إلا اللہ اور "اللہ" (سبحانہ وتعالیٰ) جو ہے یہ لفظ الجلالۃ یہ بدل ہے خبر جو محذوف ہے اس کی بدل اس لیے مرفوع ہے "لا إلہ إلا اللہ"۔

"وحده" یعنی یہ گواہی دینی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی برحق معبود نہیں ہے (گواہی ہو گئی یعنی دل کے یقین کے ساتھ زبان کا اقرار بھی ہے)۔ "وحده" یہ تاکید ہے کس چیز کی؟ توحید کی تاکید کر دی گئی ہے (وحدہ)۔ "لا شريك له" اُس کی ضد کی نفی کر دی گئی ہے (سبحان اللہ)۔

اب یہ دیکھیں ذرا اسے کئی اذکار میں آپ دیکھتے ہیں "لا إله إلا الله وحده لا شريك له" یا "أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له" یہ لفظ کیوں ہوتا ہے؟ "وحدہ" تاکید ہے کلمہ توحید کی اگرچہ گواہی میں کافی ہے (تاکید کافی ہے گواہی بھی ہے)، پھر صحیح معنی بھی ہے اُس کے ساتھ تاکید بھی ہے اور نفی الضد بھی ہے۔ ضد کیا ہے؟ شرک، اُس کی نفی بھی کر دی ہے۔ اب کہیں سے کوئی شرک کا شائبہ یا اس کی ضد کا کوئی شائبہ باقی رہتا ہے؟ کوئی شک وشبے کی کوئی گنجائش کوئی جگہ کوئی چیز باقی رہتی ہے؟ کچھ نہیں رہتا (سبحان اللہ)۔

"إقراراً به": "(إقراراً) هذه" یہ مصدر ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں، مفعول مطلق ہے اور اہل النحو کہتے ہیں کہ "المصدر بمعنى الفعل دون حروفه"۔ مصدر کی دو قسمیں ہیں، مصدر معنوی اور مصدر لفظی۔ جب آپ فعل کے ساتھ اسی لفظ کو دہراتے ہیں تو مصدر جو ہے وہ حقیقی ہوتا ہے، اور دوسرا جو ہے اگر لفظ سے دوسرا لفظ مختلف ہو تو اسے معنوی کہتے ہیں مثال کے طور پر "قمت قياماً"۔ یہ کیا ہے؟ مصدر لفظی ہے حقیقی بھی کہتے ہیں "قمت قياماً"۔ "قمت وقوفاً" اب وقوفاً کیا

ہے؟ یہ بھی مصدر ہے لیکن معنوی ہے کیونکہ لفظ جو ہے وہ قامَ نہیں ہے قمت کا نہیں ہے کیونکہ وقوفاً معنی ایک ہے تو یہ بھی مصدر ہے اسے مصدر معنوی کہتے ہیں۔ یہ ''إقراراً'' شہادت کا اقرار ہے اور مصدر معنوی ہے یہاں پر (شیخ صاحب یہ کہہ رہے ہیں)۔

لفظ شہادت کا ''أشهد'' (وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له) ''إقراراً به وتوحيداً''، شہادتاً نہیں ہے۔ تو اقراراً اور شہادتاً ایک ہی بات ہے تو اقراراً گون سا مصدر ہے یہاں پر اعراب کے اعتبار سے معنوی ہے یا لفظی ہے؟ لفظ شہادت ہے اقراراً مصدر ہے شہادت کی طرف اگر شہادتاً ہوتا تو لفظی ہے۔ ایک ہی لفظ ہیں دونوں نا ''قمت قياماً و: قمت وقوفاً''؟ معنوی ہے کیونکہ لفظ دوسرا ہے۔

''وتوحيداً'' یہ مصدر ہے ''مؤكد لقوله: لا إله إلا الله''۔ دیکھیں تاکیدات ہیں جو شیخ الاسلام نے جو بیان کی ہیں ''وأشهد أن لا إله إلا الله وحده، لا شريك له، إقراراً به وتوحيداً'' توحید کو پھر مزید تاکید کے لیے اقرار کے لفظ میں بھی تاکید ہے مصدر سے، پھر توحید مصدر ہے پھر تاکید ہے۔

''وأشهد أن محمدًا عبده وَرسُولُه'' شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں، اور اُشھد وہی کہیں گے جو پہلے ہم کہہ چکے ہیں اور ''محمد(صلى الله عليه وآله وسلم): هو ابن عبد الله بن عبد المطلب القرشي الهاشمي'' اور اسماعیل بن ابراہیم (علیہم الصلاۃ والسلام) کی سلالت میں سے ہیں (ان کی اولاد میں سے ہیں) ''أشرف الناس نسباً، عليه الصلاة والسلام''۔

اور یہ ''النبي الكريم(عليه الصلاة والسلام) عبد الله ورسوله''، سب سے جو بڑی دو صفات اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیان ہوئی ہیں وہ ہیں عبد اور رسول ''عبده ورسوله'' اس لیے کلمہ شہادت میں بھی یہی پڑھا جاتا ہے

۔

عبد کے لفظ میں شیخ صاحب فرماتے ہیں ''وهو أعبد الناس لله'' (سب سے زیادہ عبادت گزار ہیں) ''وأشدهم تحقيقًا لعبادته'' (اور سب سے زیادہ اس بات کی تحقیق کرنے والے ہیں)۔ اور اس کی دلیل میں (یعنی کئی اس کے دلائل ہیں اور جو معروف اس کی حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلاۃ قیام صلاۃ اللیل (تہجد کی نماز) بہت لمبی دیر تک پڑھتے رہتے اور لمبے لمبے قیام ہوتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے دونوں پاؤں مبارک سوج جاتے اور جب ان سے یہ عرض کی جاتی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے ہیں اور آپ اتنی یعنی ایسے عبادت کرتے ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں "أَفَلا أَكُونُ عَبْدًا شَكُوراً؟" (کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں (جیسا کہ متفق علیہ حدیث میں آیا ہے))۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی اور پیارے رسول سیدنا نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے تعلق سے فرمایا ہے ﴿إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا﴾ (الاسراء: 3)۔

تو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی یہی غایت اور یعنی منزلت حاصلہ کرنا چاہتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا کیا ہے اور سب سے زیادہ متقی اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے اور سب سے زیادہ رغبت مانگنے والے جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبد اللہ ہیں اور اس عبودیت کا یہ معنی ہے کہ جو بندہ ہے وہ بندگی کرتا ہے اس کی بندگی نہیں کی جاتی کیونکہ وہ عبد ہے اور اللہ تعالیٰ کا عبد ہے بہت بڑا شرف ہے، اور جو خود بندگی کرتا ہے اس کی بندگی، عبودیت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ نہ وہ اپنے لیے اور نہ کسی اور کے لیے نفع و نقصان کا مالک ہو سکتا ہے اور نہ ہی ربوبیت میں اور الوہیت میں اس کا کوئی حق ہے (ربوبیت میں اس کا کوئی حق نہیں وہ کسی کے لیے مشکل کشا نہیں ہو سکتا کسی کا حاجت روا نہیں ہو سکتا، سبحان اللہ) ربوبیت کی کوئی صفت اس کے اندر نہیں ہوتی بلکہ وہ خود عبد ہے محتاج ہے اپنے ربّ کا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور ان سب صفات میں سب سے عظیم اور بلند درجے پر فائز ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود حکم دیا اپنے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہ اس کا اعلان بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں۔

اور اس کے کئی دلائل ہیں ان میں سے شیخ صاحب نے یہاں پر بعض کا ذکر کیا ہے، سورۃ الاعراف اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا﴾ (الاعراف: 188) (کہہ دیں اے میرے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اپنے لیے کوئی نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں) ﴿اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ (مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے) ﴿وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ (اگر میں علم غیب جانتا) ﴿لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ﴾ (تو میں خیر کثرت سے حاصل کر لیتا) ﴿وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ﴾ (اور کبھی کوئی تکلیف مجھے نہ پہنچتی)، إلى آخر الآية۔

اور اللہ نے یہ حکم دیا اپنے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ﴿قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ﴾ (الانعام: 50) (کہہ دیں اے میرے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کہ میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس

اللہ کے خزانے ہیں)﴿وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾(اور میں علم غیب بھی نہیں جانتا ہوں(یعنی علم غیب مطلق جو ہے نہیں جانتا ہوں))﴿وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ﴾(میں یہ بھی تمہیں نہیں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں)﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾(میں صرف اس کی اتباع کرتا ہوں جس کی مجھے وحی کی جاتی ہے)۔

اور اللہ نے یہ حکم بھی دیا اپنے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

﴿قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ﴿٢١﴾ قُلْ إِنِّي لَنْ يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ﴿٢٢﴾ إِلَّا بَلَاغًا مِنَ اللَّهِ وَرِسَالَاتِهِ ﴿٢٣﴾﴾.. إلى آخر الآية [الجن: 21-23]۔

ان تمام آیات میں یہ واضح گواہی ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی بھی ربوبیت کی کسی صفت کے مالک نہیں ہیں، نفع و نقصان کا مالک، مشکل کشائی حاجت روائی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اگر مخلوق میں سے کسی کا حق ہوتا تو کس کا ہوتا یہ؟ کون ہے اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہتر؟ کوئی بھی نہیں واللہ!

اور یہاں پر استثناء جو ہے منقطع ہے﴿اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ﴾ شیخ صاحب یہ کہتے ہیں یعنی میرے ذمے جو کام ہے جس پر مجھے مبعوث کیا گیا وہ اللہ تعالیٰ کی رسالت کو پہنچانا ہے جس کا حق ادا کیا ہے اور بہترین طریقے سے پہنچایا اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں تو اس عبادت اور عبودیت اور بندگی کا یہ تقاضہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی حق نہیں ہے ربوبیت کے معاملات میں سے وہ صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اور اگر یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے وہ کون ہو سکتا ہے جو مشکل کشا حاجت روا ہو سکتا ہے یا نفع و نقصان کا مالک ہو سکتا ہے؟ کوئی بھی نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بعض لوگ جو دعوے کرتے ہیں کہ ان کے اولیاء جو ہیں وہ ان چیزوں پر فائز ہیں تو یعنی ان کی یہ باتیں بھی ساری غلط اور بے بنیاد ہیں۔

پھر آخری جملہ جو ہے ''وَرسُولُه(وأشهد أن محمدًا عبده وَرسُولُه)رسُولُہ جو ہے یہ دوسرا وصف ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کے لیے بھی نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو خاتم النبیین ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ہیں رسول ہیں اور بشر میں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے سب بلند درجے پر فائز ہیں اور جگہ کے اعتبار سے بھی جب اسراء کے موقعے پر اور معراج کے موقعے پر بلندیوں کی طرف یعنی پہنچے ہیں تو شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایسی جگہ پر پہنچے ہیں جہاں پر کوئی اور نہ پہنچ سکا مخلوقات میں سے إلا یہ کہ حملۃ العرش (جو فرشتے عرش کے اٹھانے والے ہیں) ساتویں آسمان سے یعنی اوپر تک یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرشتے لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کے قضاء اور تقدیر لکھتے ہیں وہ قلم کے لکھنے کی آواز بھی سنی اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے تمام مخلوقات کے لیے اور آیات عظیمہ سے تائید بھی کی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کسی رسول کے لیے نہیں تھی اور یہ سب سے بڑی آیت اور سب سے بڑا معجزہ ہے یعنی جو یہ قرآن عظیم ہے قرآن کریم جو ہے اور جتنے بھی سابقہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ہیں ایسی آیت کسی کے پاس بھی نہیں تھی مختلف یعنی اللہ تعالیٰ نے معجزے دیئے تھے اپنے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو لیکن قرآن مجید جیسا معجزہ کسی نبی کا بھی نہیں تھا۔

اور یہ دیکھیں کہ تمام انبیاء کے معجزات اس وقت موجود نہیں ہیں جتنی بھی آیات ہیں سب چلی گئیں سوائے ایک کے وہ کیا ہے؟ یہ قرآن مجید ہے جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے اور اللہ کا خاص انعام ہمارے اوپر ہے کہ ہم اس کتاب اس قرآن مجید کے اہل ہیں اہل قرآن میں سے ہیں مسلمان ہیں۔ مسلمانوں کی کتاب ہے نا کتنا بڑا شرف ہے کہ وہ معجزہ جو ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جس معجزے نے لوگوں کی زندگیاں بدلی ہیں! آپ دیکھ لیں کہ مکہ کا جو معاشرہ تھا کیا تھا دور جاہلیت میں؟ ہر طرف سے تاریکیاں ہی تاریکیاں تھیں اندھیرے ہی اندھیرے تھے ظلم کی ظلمتیں تھیں شرک، بدعات، خرافات، بداخلاقیاں، قتل وغارت یعنی آپ جو بھی بُرائی سوچ سکتے ہیں وہ اس معاشرے میں موجود تھیں اور بدترین طریقے سے (سبحان اللہ) اسی معاشرے میں ایک نور کی کرن کی ابتداء ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی وحی کی اور وہ معاشرہ چند سالوں میں پوری دنیا کا فاتح ہو جاتا ہے اور عظماء الاسلام پوری دنیا میں اگر آپ دیکھتے ہیں سب سے عظیم لوگ اگر آپ دیکھتے ہیں یہ وہی لوگ تھے جن کے دل میں قرآن تھا، جن کے عمل میں قرآن تھا، جن

کے چہرے پر قرآن تھا، جن کی زبان پر قرآن تھا، جن کے اخلاق میں قرآن تھا۔ آج یہی قرآن مجید یہ عظیم کتاب آج ہمارے ہاتھوں میں بھی ہے آج ہمارا عمل کیسا ہے ہمارے دل کیسے ہیں، ہمارے اخلاق کیسے ہیں لمحۂ فکریہ ہے واللہ ہمارے لیے بھائیو!

اس لیے ہمیں سوچنا چاہیے کہ قرآن مجید صرف بوسہ دینے کے لیے اور دس کپڑوں میں لپیٹ کر اونچی جگہ پر رکھنے کے لیے نازل نہیں ہوا ہے، قرآن مجید ہمارے دلوں میں بستا ہے اور صرف دلوں کی حد تک نہیں کہ اسے یاد کر کے حفظ کر کے دلوں میں رکھ دیں اور پھر جو بھی دل کرے کرتے، رہیں یہ دلوں کا نور ہے کب یہ نور ہمارے دلوں میں شروع ہوگا اور کب اس کا اثر ہمارے جسم پر ہوگا، ہماری آنکھوں پر ہمارے زبان پر ہمارے کانوں پر ہمارے ہاتھوں پر ہمارے پاؤں پر ہمارے جسم پر ہمارے چہروں پر کب ہوگا یہ، ہمارے اخلاق پر کب اس کا اثر ہوگا؟!

یہ بہت بڑا سوال ہے جس کے ہم خود جوابدہ ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے (آمین)۔

پھر شیخ صاحب فرماتے ہیں اس کی دلیل کہ قرآن مجید سب سے بڑی آیت ہے سورہ العنکبوت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ﴾ إلى آخر الآية (العنکبوت:50-51)۔

مشرکین نے کہا ﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ (یہ تو رسول دعویٰ کرتا ہے اللہ کا رسول ہے تو آیات (معجزہ) تو ہوتیں اس کے ربّ کی طرف سے) ﴿قُلْ﴾ (کہہ دیں اے میرے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) ﴿اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (جن آیات کی تم ڈیمانڈ کر رہے ہو وہ تو اللہ تعالیٰ ہاں ہیں (اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں)) ﴿وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ (میں تو صرف نذیر مبین ہوں کھلا ڈرانے والا ہوں خبردار کرنے والا ہوں)۔ پھر جواب کس نے دیا ہے؟ ﴿اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ﴾ (کیا اُن کو یہ کافی نہیں ہے) ﴿اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ﴾ (کہ ہم نے یہ کتاب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کی ہے) ﴿يُتْلٰى عَلَيْهِمْ﴾ (جو اُن کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہے)۔ یہ کتاب ہے (سبحان اللہ)۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں، یہ کافی ہے ہر چیز کے لیے لیکن اس کے لیے جس کا دل ہو "لمن كان له قلب أو ألقى السمع وهو شهيد" یا جس نے سنا ہے گواہی کے ساتھ یعنی دل پر اس کے بات اُتری ہے اور اسے سمجھ بھی آئی ہے لیکن جو

اعراض کرتا ہے تو وہ یہی کہتا ہے جیسا کہ پہلے کہتے تھے "أساطير الأولين" (کہ یہ تو قصے کہانیاں ہیں گزرے ہوئے لوگوں کی (جیسے فیری ٹیلز (Fairy Tales) کہتے ہیں نعوذ باللہ))۔

حاصل یہ ہے شیخ صاحب فرماتے ہیں "الحاصل أن محمدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رسول الله وخاتم النبيين" (اللہ تعالیٰ کے رسول خاتم النبیین ہیں) "ختم الله به النبوة والرسالة" (اللہ تعالیٰ نے خاتم کیا ہے نبوت کا اور رسالت کا)، کیونکہ اگر نبوت کی نفی ہو جائے جو رسالت سے زیادہ عام ہے تو اس سے رسالت کی بھی نفی ہو جاتی ہے جو خاص ہے کیونکہ جو عام کی نفی ہو جاتی ہے تو یہ لازم ہے کہ خاص کی بھی نفی ہو جائے۔

تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ہیں وہ خاتم النبیین ہیں کیونکہ آیت میں کیا ہے؟ خاتم النبیین ہے (الاحزاب:40)۔ تو خاتم المرسلین کہاں سے لفظ آیا ہے کہ آپ کے بعد کوئی رسول نہیں آئے گا جیسا کہ بعض لوگوں کو غلط فہمی ہے؟ تو نبی لفظ عام ہے رسول خاص ہے یعنی ہر رسول تو نبی ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہے تو عموم نبوت کے لفظ میں ہے۔ اگر نبوت کے لفظ کی نفی کر دی گئی ہے کیا رسول ہو سکتا ہے؟ نہیں ہو سکتا۔

اس لیے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کا جو ذکر فرمایا ہے اس سے مراد کیا ہے؟ خاتم الرسالت بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور کوئی رسول نہیں آئے گا۔

یہاں تک کافی ہے اگلے درس میں ان شاءاللہ یہیں سے درس کا آغاز کریں گے "صلى الله عليه وعلى آله وصحبه وسلَّم" یہیں سے ان شاء اللہ مکمل کریں گے (واللہ أعلم)۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضیٰ بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس (04.العقیدۃ الواسطیۃ) سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست نہیں کیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔